بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ادھر ایک عرصہ سے، یکے بعد دیگرے، ایسی باتیں سامنے آتی رہی ہیں جن سے یہ اندازہ کرنے کا موقع ملا کہ تقویٰ کا لفظ اپنے جن متعلقات و لوازم کے ساتھ آج بولا جاتا ہے یہ متعلقات و لوازم اس کے اصلی اور ابتدائی یعنی قرآنی نہیں ہیں لیکن اب عام ذہنوں پر ان مفہوموں کا ایسا غلبہ ہے کہ ان سے مجرد کرکے اس لفظ کو اس کے اصلی مفہوم میں استعمال کرنا آسان کام نہیں رہا۔ بظاہر تو یہ صرف ایک لفظ سے متعلق غلط فہمی کا معاملہ ہے جو چنداں قابل اہتمام نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔ تقویٰ تمام شریعت کی غایت، وحی و تنزیل کا مقصود، اور حضرات انبیائے کرام کی ساری دعوت و تلقین کا محور و مرکز ہے۔ اس وجہ سے اس کے متعلق کوئی معمولی غلط فہمی بھی بہت سی غلط فہمیوں کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے تصور کے غلط ہونے کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ سارے دین کے متعلق ہمارا زاویۂ نگاہ اور ہمارے سارے اعمال دینی کا نشانہ ہی غلط ہو جائے۔ اس وجہ سے نہایت سخت ضرورت ہے کہ کتاب و سنت میں یہ لفظ جس مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے اس کو واضح کیا جائے اور جو مفاہیم اس کے ساتھ، مختلف جماعتوں نے اپنے احوال کی روایات سے اخذ کرکے لگا دیے ہیں، ان کو دور کیا جائے۔ اس کوشش کا ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ جو چیز تمام دینداری کے اندر بمنزلۂ روح ہے وہ ہمارے سامنے آجائے گی اور ہر طالب حق اس کے لیے بغیر کسی اشتباہ اور تردد کے جد و جہد کر سکے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تقویٰ کی ناپ تول کے جو پیمانے آج رائج ہیں اور جن کے اختلاف کی وجہ سے خود تقویٰ کی ہیئتیں اور صورتیں مختلف ہو گئی ہیں کالعدم ہو جائیں گے اور کتاب و سنت کا وہ پیمانہ ہمارے سامنے آجائے گا جو ہر چیز کے ناپنے اور تولنے کا اصلی پیمانہ ہے۔

آج جن مواقع پر تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور جن لوگوں کو متقی سمجھا جاتا ہے اگر تجزیہ کرکے ان کا قدر مشترک نکالا جائے تو تقویٰ کے متعلق چند چیزیں لازماً سامنے آتی ہیں مثلاً یہ کہ یہ ایک ایسا درجہ ہے جس کے لیے اتباع شریعت اور حفاظت حدود الٰہی کی عام جد و جہد کے سوا کچھ اور مطلوب ہے۔ اور یہ "کچھ اور" اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے آگے خود شریعت کے فرائض و حدود اور ان کے قیام و حفاظت کی ذمہ داریاں بہت ہلکی ہو گئی ہیں۔ چنانچہ آپ کو بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کی ساری ذہنی و عملی قوتیں ایسے کاموں پر صرف ہو رہی ہیں جو نہ صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتے بلکہ ان کاموں کی کامیابی اور ترقی اللہ اور اس کے رسول کے دین کی پستی اور بربادی کے ہم معنی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے تقویٰ میں کوئی فرق نہیں آتا اور وہ اپنے "کچھ اور" کی بدولت بدستور نہ صرف متقی بنے ہوئے ہیں بلکہ برابر تقویٰ کے مدارج و مقامات میں ترقی کر رہے ہیں۔

اسی طرح تقویٰ کے لوازم میں سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ اس کا حصول کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت و ارادت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور یہ چیز اس قدر ضروری خیال کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خانقاہ کی سند حاصل کیے بغیر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی باتیں سکھانا اور بتانا شروع کر دے تو لوگوں کی نظر میں یہ بات اسی طرح کھٹکنے لگتی ہے جس طرح کوئی شخص

بغیر سند حاصل کیے کسی شہر میں مریضوں کا علاج شروع کر دے۔ بلکہ ایک عطائی، اگر اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو، آہستہ آہستہ گوارا کر لیا جاتا ہے لیکن اصلاح نفوس و تزکیہ اخلاق اور تعلیم دین ارباب خانقاہ کا ایسا اجارہ ہے کہ بغیر ان کی سند کے کوئی شخص اس کام کا اہل ہو ہی نہیں سکتا، اگرچہ اس کی تعلیم و دعوت سے دلوں میں کتنا ہی بڑا انقلاب برپا ہو جائے۔

اسی طرح یہ بات بھی تقویٰ کے لوازم میں سے سمجھی جاتی ہے کہ آدمی نہ صرف منہیات و محظورات کا تارک ہو بلکہ بہت سے مباحات کا بھی تارک ہو اور ستم ظریفی یہ ہے کہ منہیات میں اصلی اہتمام ان چیزوں کا کیا جاتا ہے جن کی حیثیت اصل دین میں محض ضمنی ہے۔ لیکن ان پر اس شد و مد سے وعظ کیے جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین یہی چیزیں ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں جو صریحاً خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کے حکم میں داخل ہیں نہ صرف یہ کہ ان پر طبائع میں کوئی خلش تک نہیں پیدا ہوتی بلکہ ان چیزوں کو خود اسلام کی ترقی کے اجزا میں سے گنا جاتا ہے اور بسا اوقات ان کے حصول کے لیے ہماری خانقاہوں میں دعائیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو پائنچوں کے ٹخنوں کے نیچے ہونے، اور ڈاڑھی اور لب کے مسائل میں بڑا انہماک و غلو ہے وہ رات دن طاغوت کے تقرب کی طلب اور اس کے لیے دعائیں اور سفارشیں کرتے ہیں ذرہ برابر بھی قباحت نہیں محسوس کرتے لیکن معاً جب وہ ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو نہ صرف مشہور و عام محظورات ہی کا بلکہ شریعت کے اصلی محرمات کا بھی تارک ہے اور کوئی بات اس کی زندگی میں ایسی نہیں دکھائی جا سکتی جو خدا اور اس کے رسول کی شریعت سے بغاوت و انحراف ہو تو بسا اوقات اس کے محاسن کے اعتراف سے اس لیے بخل کرتے ہیں کہ اس میں تقویٰ کی کمی ہے اور اس قلت تقویٰ کی دلیل عموماً اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی کہ وہ مباحات سے فائدہ اٹھانے میں ان کی طرح بے قرینہ یا زاہد خشک نہیں ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تقویٰ کے شرائط معلومہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ یہ تجرد و خلوت گزینی سے مناسبت رکھتا ہے اور خلوت کے گوشوں اور تنہائی کے حجروں ہی میں پرورش پاتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی زندگی کی عملی سرگرمیوں سے الگ تھلگ اور خلائق سے منقطع ہو کر یاد الٰہی میں مشغول رہے۔ اس خیال کے غلبہ کا اثر یہاں تک ہے کہ اگر ایک شخص کی زندگی دین کی حجت واضح کرنے اور اس کی اقامت کے لیے کشمکش میں بسر ہو رہی ہو تو ہمارے تقویٰ کی موجودہ سائنس کے ماہرین کے نزدیک یہ طریقہ نہ صرف حصول تقویٰ کے لیے نتیجہ بخش نہیں ہے بلکہ اس میں سخت فتنے پوشیدہ ہیں اور اس سے کچھ فائدہ حاصل ہونا تو الگ رہا بہت زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس کشمکش میں اس کی رہی سہی خوبیاں بھی برباد ہو جائیں۔ اصولی طور پر یہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آدمی پوری زندگی ریاضت و مراقبہ میں گذار دے ورنہ کم از کم ایک طویل مدت تو اس شغل تنہائی میں بسر کیے بغیر آدمی کے لیے عملی میدان میں اترنا بہر صورت خطرہ سے خالی نہیں۔ یہ حضرات اس بات کے منکر ہیں کہ بچے کی ترقی کے لیے اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ماں کی گود سے زمین میں اترے، رینگے، کھڑے ہونے کی کوشش کرے، کھڑا ہو، لڑکھڑائے گرے اور پھر دوڑنے لگے۔ وہ اس کے برعکس اس بات کے قائل ہیں کہ بچہ ولادت سے لے کر سن رشد تک ماں باپ کے کندھوں پر لدا لدا پھرے اور جب چالیس برس کی اس پختہ استعداد مادی و عقلی کو پہنچ جائے جس کو قرآن حکیم نے فلما بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ سے تعبیر کیا ہے تو اس کو دفعۃً کارزار حیات میں جھونک دیا جائے کہ اب تو جا اس کے نشیب و فراز اور سرد و گرم سے خود عہدہ برا ہو کیونکہ پورے چالیس سال مادر مشفق کی محفوظ آغوش میں اس کارزار میں اترنے کے لیے تربیت حاصل کر چکا ہے۔

اسی طرح اہل تقویٰ کی خاص پہچان یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف صاحب تاثیر بلکہ صاحب تسخیر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک نگاہ دلوں کو

بدل دیتی ہے۔ ان کے ایک اشارے سے وہ کام ہوجاتے ہیں جو دوسروں کی برسوں کی جانکاہیوں سے بھی نہیں ہوتے۔ شقی سے شقی انسان ان کی صحبت میں آتے ہی مومن کامل ہوجاتا ہے۔ وہ جدھر سے گزر جاتے ہیں ادھر کی دنیا نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ نہ زبان سے بولتے، نہ پاؤں سے چلتے، نہ ہاتھوں سے اشارے کرتے تاہم ان کے فیض باطنی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کے سایہ کے پرتو سے کفر و باطل بھاگتا ہے۔ اس طرح کے خیالات کا جن لوگوں کے دماغوں پر تسلط ہے ان کی نظر میں وہ لوگ بالکل نہیں جچتے جو باطنی تصرفات کے بجائے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عام قانون کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی راہ میں انہی ہتھیاروں سے لڑتے ہیں جو اس نے کوشش اور جد وجہد کے لیے عنایت فرمائے ہیں بلکہ خود حضرات انبیائے کرام اور صحابہ عظام کی بھی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں ہوسکتی کیونکہ ان حضرات کو بھی یہ درجہ نصیب نہ ہوسکا کہ اپنی ایک نگاہ سے دلوں کی کایا پلٹ دیتے بلکہ برسوں کی محنتوں، دعوتوں، مزاحمتوں، مخالفتوں، ناکامیوں اور پامالیوں کے بعد جب یہ حال ہوا کہ رسول اور اس کے تمام ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی تب اللہ تعالیٰ نے ان کی صدا میں تاثیر اور ان کی دعوت میں قوت عطا فرمائی۔

جو لوگ آج تقویٰ کا لفظ بولتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ سارے مفاہیم یا ان کا بڑا حصہ مضمر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے متعلقات نہ تو بالکل غلط ہیں نہ کل کے کل صحیح ہیں۔ بلکہ یہ صحیح و سقیم دونوں کا مجموعہ ہے لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اپنے ذاتی رجحانات کی طرفداری کے بغیر معلوم کیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے قیود و شرائط اور احوال و خصائص کیا ہیں

عربی زبان میں وقی یقی کے معنی ہیں کسی شے کے ضرر سے اپنے تئیں بچانا۔ اسی سے اتقا ہے جو قرآن مجید میں کئی معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

(۱) جس چیز سے نقصان پہنچے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنا مثلاً الا ان تتقوا منھم تقاۃ (مگر یہ کہ تم ان سے بچو جیسا کہ بچنا چاہیے)

(۲) کسی شر سے ڈرنا مثلاً واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تم میں سے خاص طور پر انہی لوگوں کو نہیں پکڑے گا جنھوں نے ظلم کیا ہوگا)

(۳) خدائے پاک و منعم کے حضور اظہار خشیت جو اپنے شکر گزار اور وفادار بندوں پر رحم فرماتا ہے، کفر و ناسپاسی کو ناپسند کرتا ہے اور تمام ڈھکے چھپے سے واقف ہے۔ مثلاً ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاٰتکم (اگر تم اللہ سے ڈروگے تو اللہ تم کو حق و باطل کا امتیاز بخشے گا اور تمہارے گناہوں کو دور کرے گا)

(۴) چوتھا مفہوم ان تینوں مفہوموں کا جامع ہے یعنی اللہ کے حدود کو توڑنے، اس کی امانتوں میں خیانت کرنے اور اس کے عہد کی بے حرمتی کرنے سے اس کے برے نتائج اور خدا کے غضب کے اندیشہ کی بنا پر بچنا اور جہاں کہیں مفعول کے بغیر یہ لفظ آتا ہے بالعموم یہی جامع معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی کی دوسری تعبیر تقویٰ ہے۔ اس مفہوم پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے متقی وہ شخص ہے جس کے دل میں خدا کی تعظیم اور اس کے غضب کا اندیشہ ہو اور وہ خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کو توڑنے، اس کے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کرنے اور اس کی امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہو۔

اس کائنات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں بنائی ہیں ان میں دو طرح کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ایک اپنی مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی قوت، دوسری اپنی حفاظت کی صلاحیت۔ پہلی قوت کا تقاضا اقدام اور عمل ہے اور اس کا نتیجہ ہر شے

کا اپنی اس غایت تک پہنچنا ہے جس کے لیے وہ خلق ہوئی ہے اور دوسری قوت کا تقاضا احجام و احتراز ہے اور اس کا ثمرہ ہر شے کا ان خطرات سے محفوظ رہنا ہے جو اس کو اس کی منزل تک پہنچنے سے پہلے برباد کر سکتے ہیں۔ پہلی قوت ہر شے کو پروان چڑھاتی ہے اور اس کی تمام مخفی صلاحیتوں کو ابھارتی ہے اور دوسری قوت اسکی حفاظت کرتی ہے۔ اس کی مثال ایک اچھے موٹر کی ہے جس کے اندر ایک سچا بریک لگا ہوا ہے۔ کچھ پرزے ہوتے ہیں جن کے باہمی تفاعل سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو گاڑی کو ہوا کی رفتار سے چلاتی ہے اور یہ قوت ہی گاڑی کا اصلی جوہر ہے لیکن اگر تنہا یہی قوت کارفرما ہو تو نہیں معلوم گاڑی کس کھڈ میں گر کر اور کس درخت سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جائے، اس وجہ سے اس کے ساتھ ایک بریک لگایا جاتا ہے جو اس قوت کو اپنے ضبط و نظم میں رکھتا ہے اور گاڑی کو اپنی حفاظت میں لیکر اسکی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ یہ بریک اس کائنات کی ہر قوت اور ہر حرکت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اسی سے اس دنیا کی زندگی اور حفاظت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ دنیا اور اس دنیا کی ساری چیزیں آن کی آن میں پاش پاش ہو کر فنا ہو جائیں۔

اس قوت و صلاحیت کو اس کے مختلف گوشوں میں ہم مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہیں یہ حفاظت ذات کے نام سے موسوم ہے کہیں تقویٰ کے نام سے لیکن تعبیر کے اختلاف سے نفس حقیقت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ ایک ہی حقیقت ہے جس کا کسی تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس کائنات کی ہر چیز میں، اس زمین کے ہر جاندار میں، اس دنیا کے ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور ہر جگہ اس کے افعال و اثرات تقریباً ایک ہی سے ہیں اس وجہ سے تقویٰ کی اصلی اہمیت، اسکا اصلی موضع و محل اور اس کے واقعی افعال و اثرات کی وضاحت کے لیے بہتر ہوگا کہ اس کائنات کے مختلف گوشوں میں اس کی مختلف شکلوں کا مشاہدہ کر لیا جائے یعنی یہ دیکھ لیا جائے کہ آفاق میں جو تقویٰ پایا جاتا ہے اس کی شکل و صورت کیا ہے، حیوانات کے اندر اس کی نوعیت کیا ہے، انسانوں کی فطرت میں اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس طرح اگر ہم آفاقی جبلی اور فطری تقویٰ کی مختلف صورتوں اور ان کے افعال و اثرات سے اچھی طرح آشنا ہو جائیں گے تو ہم کو یہ سمجھنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہوگی کہ شریعت ہم سے جب تقویٰ کا مطالبہ کرتی ہے اسکی شکل و صورت اور اس کے افعال و اثرات کیا ہونے چاہئیں اور پھر جو کچھ ہونا چاہیے اگر اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی زندگی اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بھی ہو جائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہی حق ہے اور اس کے سوا اس کے جو لوازم و تضمنات بیان کیے جاتے ہیں ان کی اصل نہ تو عقل و فطرت کے اندر ہے، نہ اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ رسول کی سنت میں۔ اب ہم بالترتیب تقویٰ کی ان مختلف قسموں کی وضاحت کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں اس تقویٰ کا مشاہدہ کرنا چاہیے جس کی جلوہ گری اس کائنات کے ان گوشوں میں بھی موجود ہے جہاں ہم کسی ارادہ اور زندگی کا شعور نہیں پاتے بلکہ قدرت کا ایک بندھا ٹکا نظام ہے جس کے ماتحت ہر چیز اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنا عمل کر رہی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک کسی شے کے طبعی وظیفہ کا تعلق ہے اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں ہے۔ بلکہ قدرت اس کو اس بات کی پوری اجازت دیتی ہے کہ جہاں تک وہ بڑھ سکتی ہے وہاں تک بڑھے اور جس منزل تک پہنچ سکتی ہے وہاں تک پہنچے لیکن ساتھ ہی ایک مخفی ہاتھ اسکی باگیں بھی تھامے ہوئے ہے اور پوری ہوشیاری کے ساتھ اس امر کی نگرانی کر رہا ہے کہ یہ اپنی راہ سے بے راہ نہ ہو جائے اور اپنے حدود کو چھوڑ کر اور دوسروں کے حدود میں دراندازی کر کے نہ اپنا کام خراب کرلے نہ دوسروں کے کام میں خلل ڈالے۔ یہ آفاقی کا تقویٰ ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید کی ان آیات میں اشارہ ہے:-

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ	اور سورج اپنے خاص مدار پر حرکت کرتا ہے۔ یہ عزیز و علیم کا ٹھیرا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔ لَا الشَّمْسُ	منزلیں ٹھیرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کو یہ حق ہے کہ

يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہو سکتی، ہر ایک اپنے خاص مدار میں تیر رہا ہے۔

یہی طبعی تقویٰ ہے جو کھاری اور میٹھے سمندروں کو اپنے اپنے حدود کی پابندی پر مجبور کرتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے حدود میں مداخلت سے روک کر ان ہی کے ان فوائد کی حفاظت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمائے ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (۹-۲۰ رحمٰن)	اس نے چھوڑے ہیں دونوں سمندر کہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور ان کے درمیان ایک پردہ ہے جس سے تجاوز نہیں کرتے

کائنات کی یہ اشیاء، اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی نگرانی کرتی ہیں اور ان کے توڑنے کی جرأت نہیں کرتیں اور یہی ان کا تقویٰ ہے اور یہ اپنے عملی نمونے سے انسان کو درس دیتی ہیں کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار کی دنیا میں انہی کی طرح خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کا پابند ہو اور ان سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو برباد نہ کرے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۔ سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ گردش کرتے ہیں، ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں، اور
وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ (رحمٰن) آسمان کو بلند کیا اور اس میں ایک میزان رکھی (یہ زبان حال سے تعلیم دیتے ہیں کہ) تم میزان میں عدل

بعینہٖ اسی طرح تقویٰ کی نمود ہم اس عالم میں پاتے ہیں جہاں زندگی تو موجود ہے لیکن انسانی اختیار و ارادہ موجود نہیں ہے یعنی حیوانات کے اندر ان کی زندگی کی حفاظت اور ترقی بھی تقویٰ ہی کی بدولت ہے اگرچہ اختیار و ارادہ سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کا تقویٰ جبلی تقویٰ ہے۔ قدرت نے ہر حیوان کی جبلت کے اندر وہ ساری قابلیتیں ودیعت کر دی ہیں جو اس کی نوعی صفات کے درجۂ کمال تک ترقی کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ترقی جس طرح کی حرکت اور جدوجہد کی طالب ہے وہ بھی ان کے اندر ودیعت ہے اور جس قسم کے سکون کا مطالبہ کرتی ہے وہ بھی ان کو تعلیم کر دیا گیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جن چیزوں سے ان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے ان سے بھی وہ جبلی طور پر ڈرتے اور بچتے ہیں اور ان کا یہی جبلی تقویٰ ہے جو ان کا اصلی پاسبان ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حیوانات کی کوئی نوع بھی وجود میں آ کر اپنے آپ کو باقی نہ رکھ سکے۔ ایک مرغی کا ننھا سا بچہ پہلے روز سے جانتا ہے کہ اسے کس طرح اپنی ذات کو نشوونما دینے کے لیے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ پھرنا اور اسی کے اشاروں پر دوڑ کر زمین سے غذا کے ذرہ کو چگنا چاہیے اور پھر کس طرح کوے، چیل، شکرے اور بلی کی آہٹ پاتے ہی اس کے پروں کے نیچے چھپ جانا چاہیے۔ گدھا ایک نہایت غبی جانور ہے لیکن اس غباوت کے باوجود وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ زمین کی بے شمار نباتات میں سے کونسی گھاسیں ہیں جو اس کے لیے غذائے صالح کا حکم رکھتی ہیں اور کونسی گھاسیں ہیں جو اس کے لیے مضر اور سم قاتل ہیں۔ اور ایک گدھا گدھا ہو کر بھی اپنے جبلی تقویٰ میں ایسا کامل ہوتا ہے کہ بھوکا مر جاتا ہے لیکن یہ گوارا نہیں کرتا کہ جبلت نے اس کے لیے جو قاعدے ٹھہرا دیے ہیں اور جو حدود قائم کر دیے ہیں ان کو توڑ کر کوئی ایسی چیز کھائے جو اس کی جبلت کی شریعت میں حرام ہے۔ نافع کو اختیار کرنے اور نقصانات سے بچنے کی یہی وہ ہدایت ہے جو ہر جاندار کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے اور جس کی طرف قرآن حکیم کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى — اپنے پروردگار برتر کی تسبیح کر جس نے خلق کیا پھر اس کا تسویہ کیا اور جس نے اندازہ ٹھیرایا پھر اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔

آفاقی اور جبلی تقویٰ کے یہی مخفی اشارات ہیں جو انسان کے اندر آ کر پوری طرح اجاگر ہو جاتے ہیں۔ چیز وہی ہے لیکن انسان کی حیثیت چونکہ مقہور و مسخر اجرام سماوی اور بے اختیار و امتیاز حیوانات سے بالکل مختلف ہے اس وجہ سے اس کے تقویٰ کی نوعیت اور قدر و قیمت بدل جاتی ہے۔ بلکہ تقویٰ کا نام ہی یہ چیز اس وقت پاتی ہے جب انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ ذی ارادہ اور ذی اختیار مخلوق ہے اس وجہ سے وہ شمس و قمر کی طرح اپنے تقویٰ کے ساتھ جکڑ کے باندھا نہیں گیا ہے کہ جس ڈگر پر ہانک دیا گیا ہے اس سے منحرف ہی نہ ہو سکے بلکہ اس کی فطرت کے اندر نافع و ضار کے پہچاننے کا ذوق دے کر اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ذوق اور اپنی عقل کی رہنمائی سے اپنے لیے نافع کو اختیار کرے اور مضر سے احتراز کرے۔ نیز وہ صرف ایک مادی ہستی ہی نہیں رکھتا ہے بلکہ ایک اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے اندر صرف مادی مضرتوں ہی سے بچنے کا ذوق نہیں ودیعت کیا گیا ہے بلکہ اخلاقی و روحانی مضرتوں اور مفاسد سے بھی احتراز کرنے کا ذوق بخشا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو اس کو اس کا ذوق دیا گیا کہ خوبصورت کو پیار کرے اور بدصورت سے گریز کرے، خوشبو سے محبت اور بدبو سے نفرت کرے، طیب کو حلال اور خبیث کو حرام سمجھے اور دوسری طرف اس کو اس بات کا ذوق بخشا گیا ہے کہ وہ جھوٹ سے نفرت اور سچ سے محبت کرے، ظلم کو برا سمجھے اور عدل کی قدر کرے۔ یہ انسان کا فطری تقویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت کے اندر ودیعت فرمایا ہے اور قرآن مجید

کی متعدد آیات میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً [انا ہدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا] [وھدیناہ النجدین] [فالھمھا فجورھا وتقواھا] یہی تقویٰ ہے جو انسان کی مادی اور روحانی زندگی کا ضامن ہے۔ اگر انسان اپنی مادی زندگی میں مضرتوں سے احتراز نہ کرے بلکہ گندم کی جگہ کنکریاں پھانکنا شروع کردے تو اس کا لازمی نتیجہ اس کی مادی زندگی کا خاتمہ ہے اور اگر وہ اپنی اخلاقی زندگی میں مہلکات سے نہ بچے اور شکر کی جگہ ناشکری کی راہ چل پڑے تو اس کی روحانی زندگی کی ہلاکت یقینی ہے اگرچہ اس ہلاکت سے اسے اس زندگی کے خاتمہ ہی پر دوچار ہونا پڑے۔

اس تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) پہلی یہ کہ تقویٰ ہی ہر شے کی زندگی اور اس کی ترقی کا محافظ ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ یہ زندگی کی شاہراہ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ہر مرحلہ میں زندگی کے ہم رکاب ہے اور اس کی حیثیت بدرقہ کی ہے جو انسان کو غلط روی اور خطرات راہ سے بچا کر منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے اس کو خیر الزاد بہترین زاد راہ سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ کسی مرحلہ میں بھی یہ زندگی کی جد و جہد اور اس کے ارتقائے مادی و اخلاقی میں مزاحم نہیں ہے بلکہ ان مزاحمتوں سے یہ زندگی کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی مادی یا روحانی ترقی کو درہم برہم کرسکتی ہیں۔

(۴) چوتھی یہ کہ اس کی کوئی خاص ہیئت و صورت نہیں ہے بجز اس کے کہ جبلت اور فطرت کے اندر جو حدود بڑھنے اور رکنے کیلیے قائم کر دیے گئے ہیں ان کی پوری پاسداری کی جائے۔

اب آئیے شرعی تقویٰ کی حقیقت پر غور کیجیے۔ ظاہر ہے کہ شریعت فطرت کے برخلاف نہیں بلکہ عین فطرت ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اس وجہ سے شریعت کی نسبت یہ گمان کرنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی ایسے تقویٰ کا مطالبہ کرے گی جو انسان کی زندگی میں کسی طرح کا تعطل پیدا کرے، یا اس کی جائز رغبتوں کی نفی کرے، خواہ ان کا تعلق ابتدائی ضروریات سے ہو یا کمالیات سے، یا اس کا حصول زندگی کی شاہراہ سے الگ ہو کر کسی ایسے بعید گوشے اور دور دراز جزیرہ ہی میں ممکن ہو جہاں حرکت کے بجائے صرف سکون اور زندگی کی جگہ صرف موت ہو۔ یا اس کی شناخت کے لیے وہ کوئی ایسی علامت ٹھیرائے جو رد و قبول، ترک و اختیار اور ہدایت و ضلالت کے اس قانون ہی کو یکسر باطل کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جاری فرمایا ہے اور جو انسان کی فطرت اور خدا کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی اگر تسلیم کر لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شریعت اور فطرت میں کامل توافق کی جگہ ایک مستقل نزاع اور جنگ کی حالت قائم ہو جائے حالانکہ ایسا سمجھنا خود شریعت کی تکذیب ہے۔ شریعت کا اعلان تو یہ ہے کہ اس نے فطرت پر نہ سر مو اضافہ کیا ہے نہ اس میں کوئی کمی کی ہے بلکہ انسان کی فطرت جو کچھ مطالبہ کرتی ہے اس کو اس نے بالکل مبرہن اور آشکارا کر دیا ہے۔ فطرت کے اشارات مخفی تھے ان کو شریعت نے بالکل روز روشن کی طرح نمایاں کر دیا تاکہ ان کے خفا کی وجہ سے انسان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ فطرت کے صحیح مقتضیات کے تعین میں، انسان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو سکتا تھا شریعت نے مقتضیات کو معین کر کے اس اختلاف کا خدشہ دور کر دیا۔ اس سے زیادہ شریعت کسی بات کی مدعی نہیں ہے۔ اس وجہ سے جبلی اور فطری تقویٰ اور شرعی تقویٰ میں جو کچھ فرق ہو سکتا ہے وہ نفس تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مقصد میں نہیں ہو سکتا البتہ اس کے محرک میں ہو سکتا ہے۔ جبلت میں صرف ذات کی حفاظت کا جذبہ مخفی ہوتا ہے، فطرت میں حفاظت نفس کے ساتھ مذاق سلیم اور انجام بینی کا پہلو بھی نمایاں ہو جاتا ہے اور شریعت میں، اگر صاف صاف ایک خدائے منعم و دیان کا خوف اور حساب اور عدل الٰہی کا ڈر ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کی زندگی کے لیے جو سیدھی راہ متعین کر دی گئی ہے اس پر چلے اور بے راہ روی اور گمراہی سے اس کو بچانے کے لیے جو حدود شریعت نے قائم کر دیے ہیں ان سے تجاوز کرنے کی جسارت نہ کرے۔ پس شرعی تقویٰ کی حقیقت یہ ہونی چاہیے کہ آدمی اپنی زندگی کو خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر رکھے اور دل کی گہرائیوں کے اندر اس بات سے ڈرتا رہے کہ جہاں اس نے خدا کی قائم کی ہوئی کسی حد کو توڑا تو اس کو خدا کی سزا سے بچانے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہاں تک ہم نے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ شرعی تقویٰ کی حقیقت کیا ہونی چاہیے۔ اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ درحقیقت تقویٰ ہے بھی یہی۔ سب سے پہلے لفظ تقویٰ کو لیجیے کہ قرآن نے اس لفظ کو کس مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ فرمایا ہے:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۱۹۷ بقرہ)

حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ سو جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کر لے تو حج میں نہ عورتوں سے تعلق جائز ہے، نہ گالی گلوچ، نہ جھگڑا (بلکہ اس کو بھلائیاں کرنی چاہئیں) اور جو بھلائی کا کام تم کرو گے تو اللہ اس کو علم میں رکھے گا اور تقویٰ کا زادِ راہ لے کر حج کے لیے نکلو کیونکہ بہترین

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے لیے قیود و شرائط ہیں اور اس کا ثمر ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ان قیود و شرائط کے ساتھ اس کو پورا کیا جائے۔ مثلاً حج کے سفر کے لیے جو لوگ نکلیں ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو شہوات سے، زبان کو گالی گلوچ اور بدگوئی سے نیز بات بات پر جنگ و جدل سے محفوظ رکھیں اور بھلائیاں کریں۔ پھر ان تمام باتوں سے محفوظ رہنے کو تقویٰ قرار دیا اور اس تقویٰ کو بہترین زادِ راہ سے تعبیر فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح وہ شخص جو بغیر زادِ راہ کے سفر کے لیے چل کھڑا ہوا ہے ہر قدم پر اس کی زندگی خطرات سے دوچار ہے، نہیں معلوم کس مرحلہ میں بھوک اور پیاس اور بے سامانی اس کا خاتمہ کر دے، اسی طرح جو شخص تقویٰ کے زادِ راہ اور حدود الٰہی کی پاسداری کے عزم کے بغیر حج کے لیے چل پڑا ہے نہیں معلوم کس جگہ اس کے نفس کی شہوت اور اس کی زبان کی بے قیدیاں اس کے سارے حج کو غارت کر دیں۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۸۔ مائدہ)

کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم اس کے باب میں عدل سے ہٹ جاؤ، بلکہ عدل پر قائم رہو۔ یہی بات تقویٰ سے اوفق ہے۔

اس آیت میں مخالفین اور اعداء کے بارہ میں حدود الٰہی پر قائم رہنے کو تقویٰ سے اوفق قرار دیا۔

ایک اور مقام میں ہے:۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۲۔ مائدہ)

ادائے حق اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور حق تلفی اور تعدی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

اس آیت میں بِرّ و اِثم اور تقویٰ اور عدوان کا تقابل ہے اور کسی لفظ کا مقابل لفظ اپنے مقابل کے صحیح مفہوم کی تعیین میں سب سے زیادہ مدد کرتا ہے۔ عدوان کے معنی تجاوز عن الحد یعنی متعینہ حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں اس وجہ سے تقویٰ کے معنی اللہ کے حدود کی حفاظت کے ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق واجب کر دیے ہیں، جو حدود متعین کر دیے ہیں، جو حلال و حرام ٹھہرا دیے ہیں پورے خوف خدا کے ساتھ ان کی نگہداشت کی جائے۔

سورہ توبہ میں ہے:۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

جس مسجد کی بنا روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس میں نماز پڑھو۔

اس آیت سے اوپر والی آیت میں مسجد ضرار کا ذکر ہے جس کا مقصد ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بیان کیا گیا ہے یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، خدا کی ناشکری کرنا، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور اللہ اور رسول کے محاربین کے لیے ایک اڈا مہیا کرنا۔ اس کے بعد اس مسجد کا ذکر کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو باتیں ان باتوں کی ضد ہیں یعنی مسلمانوں کی خیر خواہی، اللہ کی شکرگزاری، مسلمانوں میں اتحاد و تالیف قلب پیدا کرنے کی کوشش اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے بیزاری، یہ سب تقویٰ کی باتیں ہیں۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے:۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ
كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (۲۶ - الفتح)

یاد کرو جبکہ کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت پیدا کرلی، جاہلیت کی حمیت، تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور اہل ایمان پر تسکین اتاری اور ان کو کلمہ تقوی کا پابند رکھا اور وہ اس کے حقدار اور اہل تھے۔

کفار مکہ نے حدیبیہ کے دن حمیت جاہلیت کے جنون میں مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور باوجودیکہ مسلمان ایک طاقتور عصبیت و جمعیت کے ساتھ وہاں موجود تھے اور ان کے جذبات کفار کے اہانت انگیز سلوک کی وجہ سے نہایت مشتعل تھے لیکن وہ اللہ اور رسول کے فیصلہ پر راضی رہے اور جذبات کے ہیجان میں اس حد سے متجاوز نہیں ہوئے جس پر اللہ کے رسول نے ان کو روک دیا۔ اللہ اور رسول کے فیصلے پر اسی طمانیت کو جو انھوں نے رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا کے الفاظ سے ظاہر کی آیت مذکورہ بالا میں کلمہ تقوی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی نہایت تعریف کی گئی ہے کہ انتہائی صبر آزما حالات میں بھی وہ اس کلمہ کے اہل قرار پائے۔

ایک سرسری نظر ان کاموں پر بھی ڈالیے جن کو قرآن نے اتقاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مثلاً فرمایا ہے:۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ

اگر وہ ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ان کے لیے بہتر اجر تھا۔

یہاں وَاتَّقَوْا کا لفظ بالکل وعملوا الصالحات کی جگہ پر ہے اور سیاق کلام کو پیش نظر رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر جن علوم سفلیہ میں مبتلا ہو گئے تھے ان سے بچنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے اہل عقل تاکہ تم تقوی اختیار کرو۔

یعنی اگر قصاص لینے میں کوتاہی کی گئی تو کسی کی جان بھی دوسروں کی تعدی سے محفوظ نہ رہے گی پس حدود پر قائم رہنے اور قائم رکھنے کیلیے قصاص لینا ضروری ہے۔

روزہ کے متعلق ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقوی اختیار کرو۔

روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اپنے جذبات و شہوات پر قابو حاصل ہو جائے تاکہ وہ زندگی کے مختلف مرحلوں میں اللہ کے حدود کی حفاظت کر سکے۔ اسی مفہوم کو یہاں لعلکم تتقون کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک جگہ ہے:۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ
عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

پس جو تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

یہاں واتقوا اللہ سے مطلب یہ ہے کہ بدلہ لینے میں اپنے حق سے تجاوز نہ کرو، بلکہ اللہ تعالی کے قائم کیے ہوئے حدود کے پابند رہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ
وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ

اے ایمان والو اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ہیں ان کی پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دو اور نہ حد سے آگے بڑھو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور

اللّٰہ حلٰلاً طیّبًا وَّاتّقوا اللّٰہَ الَّذِیۡ اَنۡتُمۡ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ

اللہ نے تم کو جو حلال و طیب چیزیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے

یہاں وَاتَّقُوا اللّٰہَ (اللہ سے ڈرو) سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کے جو حدود ٹھیرا دیے ہیں ان کی پوری پابندی کرو۔ نہ اس کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام ٹھیراؤ نہ حرام کی ہوئی چیز کو جائز قرار دو۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اللہ کی نظروں میں مبغوض ہے اور اس کے لیے سخت پاداش ہے۔

اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ کُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ

وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں بچتے۔

اس آیت میں لَا یَتَّقُوۡنَ سے مراد عہد شکنی اور خیانت ہے۔

وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا

اور حاملہ عورتوں کی مدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا کر دے گا۔

اس آیت میں اس بات کو تقویٰ کا کام قرار دیا گیا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر طلاق دی جائے تو وضع حمل سے پہلے اس کو گھر سے نہ نکالا جائے اور اس دوران میں اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائی جائے اور ہر طرح کے حسن سلوک کا حقدار سمجھا جائے۔

وَاَحۡصُوا الۡعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ بُيُوۡتِهِنَّ ... وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ وَّیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ

اور عدت کو شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ ان کو نہ نکالو ان کے گھروں سے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے راہ پیدا کرے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

اب ہمیں ایک سرسری نظر ان آیات پر بھی ڈالنی چاہیے جن میں متقین کی خصوصیات و صفات بیان کی گئی ہیں تاکہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن کی اصطلاح میں متقی کون لوگ ہیں۔ فرمایا:-

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ (۱۷۷ - بقرہ)

یہ وفاداری نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو بلکہ وفاداری تو ان کی وفاداری ہے جو اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو مال دیں اور گردنوں کو آزاد کرائیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جبکہ عہد کریں، اور خاص کر ثابت قدم رہنے والے مصیبت اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

یہ آیت کسی شرح کی محتاج نہیں۔ دینداری اور تقویٰ کے اصلی مقتضیات اس میں پورے بیان ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی اس میں ان لوگوں کی پوری تردید بھی ہے جو دین کے مطالبات میں سے کچھ رسوم یا بعض احکام کی پابندی میں مبالغہ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ اس زیادتی سے اس کمی کی تلافی کر دیں جو وہ دین کے اصلی مطالبات پوری کرنے میں کر رہے ہیں۔ قرآن نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ وفاداری اور تقویٰ نہیں ہے، تقویٰ کے کاموں میں فلاں فلاں کام اصل و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر کام یہ ہے کہ مصائب و شدائد اور جنگوں میں حق کیلیے استقامت و عزیمت کا جوہر نمایاں ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:-

بَلٰی مَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ

ہاں جو اپنے عہد کو پورا کریں اور ڈریں تو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہیں اور بدعہدی سے بچیں متقی اور محبوب خدا قرار دیا گیا ہے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (۱۱۳-۱۱۵ آل عمران)

اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو بھلائی کے کام کریں گے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا اور اللہ متقیوں سے باخبر ہے

اس آیت میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، نہی عن المنکر، مسابقت فی الخیرات کو متقین اور صالحین کی صفات میں گنایا گیا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

اور سبقت کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کی طرح ہے اور ان متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگی ہر حال میں راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ محسنوں کو دوست رکھتا ہے

اس آیت میں متقیوں کی خاص صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ یسر و عسر ہر حال میں لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دشمنوں کے لیے بھی ان کے اندر رحم و شفقت اور عفو و درگذر ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۴- توبہ)

مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکین میں سے پھر انھوں نے کوئی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تو ان کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں عہد کی پابندی کرنے والوں کو متقی اور محبوب خدا کہا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۸۳- قصص)

یہ دار آخرت ہم ان لوگوں کے لیے خاص کریں گے جو زمین میں تکبر نہیں کرتے اور فساد نہیں مچاتے اور انجام کار کی کامیابی متقیوں کے لیے ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو متقی کہا گیا ہے جو خدا کی زمین میں خدا کے قانون کی پیروی کرتے ہیں اور اس میں فساد نہیں مچاتے یعنی خدا کے قانون کو درہم برہم نہیں کرتے

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

متقی لوگ باغوں اور چشموں کے بیچ میں ہوں گے سرفراز ان نعمتوں سے جو ان کے رب نے بخشی ہوں گی۔ بے شک وہ لوگ اس سے پہلے محسن تھے، راتوں میں کم سوتے تھے اور صبح کو استغفار کرتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔

اس آیت میں متقیوں کی صفات یہ گنائی گئی ہیں کہ وہ تہجد پڑھتے ہیں صبح کو استغفار کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے سائلوں اور محروموں کا حق نکالتے ہیں۔

تقویٰ، اتقاء، متقی کی جو حقیقت قرآن مجید نے بیان کی ہے وہ ایک گونہ ترتیب کے ساتھ ہم نے پیش کر دی ہے اس پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ تقویٰ کے جو لوازم آج سمجھ لیے گئے ہیں ان کو اس تقویٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے جس کا مطالبہ قرآن مجید نے کیا ہے۔ قرآنی تقویٰ کو رہبانیت، جوگ، برہمچریہ، تقشف، ترک لذات، اور ترک دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے کام وہی ہیں جو شریعت میں بتائے گئے ہیں اس کے حصول کا طریقہ صرف یہ ہے کہ آدمی پوری خدا ترسی اور خوف آخرت کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کے حدود کی نگرانی کرے، راتوں کو جاگ کر خدا سے حق پر قائم رہنے کی توفیق طلب کرے، اور صبح کو اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرے۔ اس کے لیے نہ کسی نسبت کی ضرورت ہے، نہ کسی مافوق ریاضت کی، نہ شریعت کے احکام کے سوا کسی اور فن کی تحصیل کی، نہ خدا کی توفیق کے سوا کسی کی نظر کیمیا اثر کی۔ خدا کا جو بندہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں خدا کے احکام کی پابندی کی کوشش کر رہا ہے وہ متقی ہے اگرچہ اس کے اندر ان علامتوں اور خصائص میں سے کوئی ایک بات بھی موجود نہ ہو جو اس زمانہ کے ارباب تقویٰ نے متقی بننے کے لیے ضروری قرار دی ہیں۔ اور جن کو اس قدر اہمیت دیدی گئی ہے کہ ان کے آگے خود شریعت کے احکام و مطالبات بالکل دب کے رہ گئے ہیں۔